Allama Iqbal Open University AIOU BS Islamic Studies solved assignments no 1 Autumn 2025 Code 1908 Islamic Movements in Contemporary Era

سوال نمبر *1:* اخوان المسلمون کے مختلف مراحل *(1933ء* تا *1948ء)* میں اس تحریک نے کس طرح اپنی سرگرمیوں کو وسعت دی؟ نیز حکومت کے ساتھ اس کے تعلقات میں اتار چڑھاؤ کی کیا وجوہات رہیں؟

تمہید: اخوان المسلمون کا تعارف اور پس منظر

اخوان المسلمون بیسویں صدی کی سب سے مؤثر، منظم اور ہمہ گیر اسلامی تحریکوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد *1928*ء میں مصر کے شہر اسماعیلیہ میں امام حسن البنّاؒ نے رکھی۔ اخوان المسلمون دراصل استعمار،

فکری زوال، اخلاقی انحطاط اور سیاسی غلامی کے خلاف ایک ہمہ جہتی اسلامی احیائی تحریک تھی۔ اس کا مقصد اسلام کو محض عبادات تک محدود کرنے کے بجائے ایک مکمل نظامِ حیات کے طور پر نافذ کرنا تھا۔ *1933*ء سے *1948*ء تک کا دور اخوان المسلمون کے ارتقا، وسعت، تنظیمی استحکام اور حکومت کے ساتھ پیچیدہ تعلقات کے حوالے سے نہایت اہم سمجھا جاتا ہے۔

1933ء سے قبل کی ابتدائی بنیادیں

اگرچہ سوال کا دائرہ *1933*ء سے شروع ہوتا ہے، لیکن اس دور کو سمجھنے کے لیے ابتدائی پس منظر ضروری ہے۔ *1928*ء سے *1933*ء تک اخوان المسلمون ایک محدود مگر نظریاتی طور پر مضبوط جماعت تھی۔ اس دور میں دعوت، اصلاحِ اخلاق، دینی تعلیم اور مساجد و تعلیمی حلقوں کے ذریعے عوامی شعور بیدار کرنے پر توجہ دی گئی۔ اس زمانے میں حکومت کے ساتھ براہِ راست تصادم نہیں تھا، اس لیے ریاست نے اخوان کو ایک اصلاحی اور تبلیغی جماعت کے طور پر برداشت کیا۔

1933ء: مرکز کی قاہرہ منتقلی اور نئے مرحلے کا آغاز

*1933*ء اخوان المسلمون کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی سال اخوان کا مرکزی دفتر اسماعیلیہ سے قاہرہ منتقل کیا گیا۔ قاہرہ اس وقت مصر کا سیاسی، تعلیمی اور فکری مرکز تھا۔ اس منتقلی نے اخوان کو قومی سطح کی تحریک بنا دیا۔ قاہرہ میں موجودگی نے اخوان کو صحافت، جامعات، مزدور تحریکوں اور سرکاری اداروں تک رسائی فراہم کی۔

تنظیمی توسیع اور ڈھانچے کی مضبوطی

*1933*ء کے بعد اخوان المسلمون نے اپنی تنظیمی ساخت کو منظم اور مضبوط بنایا۔ شاخیں *(*شُعبات*)* قائم کی گئیں، مقامی امیر مقرر کیے گئے، باقاعدہ رکنیت کا نظام متعارف کرایا گیا اور تربیتی حلقے *(*اسر*)* تشکیل دیے گئے۔ یہ تنظیمی نظم و ضبط اخوان کی سب سے بڑی طاقت بن گیا۔ چند ہی برسوں میں مصر کے طول و عرض میں اخوان کی شاخیں قائم ہو گئیں۔

دعوتی سرگرمیوں میں وسعت

اخوان المسلمون نے اس دور میں دعوتی سرگرمیوں کو غیر معمولی وسعت دی۔ مساجد، مدارس، تعلیمی اداروں اور عوامی مقامات پر دروس، خطبات اور لیکچرز کا اہتمام کیا گیا۔ اخوان کا پیغام سادہ مگر جامع تھا: اسلام ایک مکمل

ضابطۂ حیات ہے۔ اس دعوت نے متوسط طبقے، طلبہ، اساتذہ اور سرکاری ملازمین میں خاص مقبولیت حاصل کی۔

تعلیمی اور تربیتی میدان میں کردار

*1933*ء تا *1948*ء کے دوران اخوان نے تعلیم کو اپنی جدوجہد کا مرکزی ستون بنایا۔ اسکول، دینی مراکز اور تربیتی ادارے قائم کیے گئے۔ نوجوانوں کی فکری اور اخلاقی تربیت پر خاص توجہ دی گئی۔ اخوان کا خیال تھا کہ حقیقی تبدیلی تعلیم یافتہ اور باکردار نسل کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

صحافت اور لٹریچر کے ذریعے پیغام رسانی

اخوان المسلمون نے صحافت کو ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ رسائل، اخبارات اور پمفلٹس شائع کیے گئے جن میں اسلامی نظام، استعمار کی سازشوں اور مغربی تہذیب کے منفی اثرات پر تنقید کی جاتی تھی۔ امام حسن البنّاؒ کے خطبات اور تحریریں عوام میں بے حد مقبول ہوئیں۔ اس علمی و فکری سرگرمی نے اخوان کو ایک نظریاتی تحریک کے طور پر مستحکم کیا۔

سماجی اور فلاحی خدمات

اخوان المسلمون نے سماجی خدمت کو دعوت کا عملی اظہار سمجھا۔ اسپتال،

کلینک، یتیم خانے، رفاہی ادارے اور قدرتی آفات کے وقت امدادی سرگرمیاں انجام دی گئیں۔ ان خدمات نے اخوان کو عوامی سطح پر بے پناہ مقبولیت دلائی اور اسے محض ایک سیاسی جماعت کے بجائے عوامی تحریک بنا دیا۔

سیاسی شعور کی بیداری اور تدریجی سیاست میں داخلہ

*1930*ء کی دہائی کے وسط تک اخوان المسلمون نے سیاست سے براہِ راست تصادم سے گریز کیا، مگر سیاسی شعور کی بیداری کو ضروری سمجھا۔ استعمار، بادشاہت، کرپشن اور مغربی اثرات پر تنقید کی گئی۔ اخوان نے آئینی اصلاحات، اسلامی قوانین کے نفاذ اور قومی خودمختاری کا مطالبہ شروع کیا۔ یہی وہ مرحلہ تھا جہاں حکومت اور اخوان کے درمیان تناؤ کی بنیاد پڑی۔

حکومت کے ساتھ ابتدائی تعلقات: احتیاط اور مفاہمت

ابتدائی طور پر مصری حکومت نے اخوان المسلمون کو ایک مذہبی و سماجی تحریک سمجھ کر برداشت کیا۔ اخوان نے بھی حکومت سے براہِ راست ٹکراؤ سے اجتناب کیا۔ اس مفاہمتی رویے کی وجہ یہ تھی کہ اخوان اپنی جڑیں مضبوط کرنا چاہتی تھی اور ریاستی جبر سے بچنا چاہتی تھی۔

اخوان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور حکومتی تشویش

جیسے جیسے اخوان کی رکنیت لاکھوں تک پہنچی اور اس کا اثر طلبہ، فوج، مزدوروں اور بیوروکریسی میں پھیلنے لگا، حکومت کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ اخوان ایک متبادل نظریہ اور طاقت کے طور پر ابھر رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت اور شاہی نظام نے اسے اپنے لیے خطرہ سمجھنا شروع کر دیا۔

فلسطین کا مسئلہ اور اخوان کا کردار

*1940*ء کی دہائی میں فلسطین کا مسئلہ اخوان المسلمون کے لیے مرکزی حیثیت اختیار کر گیا۔ اخوان نے صہیونیت اور برطانوی استعمار کے خلاف کھل کر آواز اٹھائی۔ فلسطین کے لیے مالی امداد، رضاکاروں کی تربیت اور عملی جہاد میں شرکت نے اخوان کو عرب دنیا میں بے حد مقبول بنا دیا، مگر اسی کے ساتھ حکومت کے لیے یہ سرگرمیاں تشویش کا باعث بن گئیں۔

نظامِ خاص (خفیہ تنظیم) کا قیام

*1940*ء کی دہائی کے وسط میں اخوان نے ایک خفیہ تنظیم قائم کی جسے ’’نظامِ خاص‘‘ کہا جاتا ہے۔ اس کا مقصد استعمار اور صہیونیت کے خلاف

مسلح جدوجہد اور دفاعی تیاری تھا۔ اگرچہ اخوان کی قیادت اسے ناگزیر سمجھتی تھی، مگر حکومت نے اسے ریاست کے لیے خطرہ قرار دیا۔ یہی عنصر حکومت اور اخوان کے تعلقات میں شدید بگاڑ کا سبب بنا۔

1948ء: حکومت کے ساتھ تصادم کا نقطۂ عروج

1948ء اخوان المسلمون اور مصری حکومت کے تعلقات میں فیصلہ کن سال ثابت ہوا۔ حکومت نے اخوان پر الزام لگایا کہ وہ ریاست کے خلاف سازش کر رہی ہے۔ نتیجتاً اخوان کو کالعدم قرار دیا گیا، اس کے دفاتر بند کیے گئے، اثاثے ضبط کیے گئے اور ہزاروں کارکن گرفتار کر لیے گئے۔

امام حسن البنّاؒ کی شہادت

فروری *1949ء* میں امام حسن البنّاؒ کو شہید کر دیا گیا۔ اگرچہ یہ واقعہ *1948ء* کے بعد پیش آیا، مگر اس کا پس منظر اسی دور کے تصادم میں پوشیدہ ہے۔ یہ شہادت اخوان المسلمون کی تاریخ کا سب سے دردناک مگر فیصلہ کن لمحہ تھا۔

حکومت اور اخوان کے تعلقات میں اتار چڑھاؤ کی بنیادی وجوہات

نظریاتی تصادم

اخوان اسلامی نظامِ حیات کی داعی تھی جبکہ حکومت مغربی طرزِ حکمرانی اور سیکولر قوانین کی حامی تھی۔ یہ بنیادی نظریاتی فرق مستقل تصادم کا سبب بنا۔

سیاسی طاقت کا خوف

اخوان کی عوامی مقبولیت اور منظم قوت نے حکومت کو خوفزدہ کر دیا کہ کہیں اقتدار اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

استعماری دباؤ

برطانوی استعمار اخوان کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتا تھا اور مصری حکومت پر دباؤ ڈالتا تھا کہ اس تحریک کو محدود کیا جائے۔

فلسطین اور مسلح جدوجہد

اخوان کی فلسطین میں عملی شرکت اور خفیہ تنظیم نے حکومت کو سخت اقدامات پر مجبور کیا۔

نتیجہ: *1933*ء تا *1948*ء کا مجموعی جائزہ

*1933*ء سے *1948*ء تک اخوان المسلمون ایک محدود اصلاحی جماعت سے ایک عظیم عوامی، فکری، سماجی اور سیاسی تحریک بن کر ابھری۔ اس دور میں اس نے دعوت، تعلیم، سماجی خدمت، سیاست اور جہاد ہر میدان میں اپنی سرگرمیوں کو وسعت دی۔ حکومت کے ساتھ اس کے تعلقات ابتدا میں محتاط اور نسبتاً خوشگوار رہے، مگر وقت کے ساتھ ساتھ نظریاتی اختلاف، سیاسی خوف اور استعماری دباؤ نے ان تعلقات کو شدید تصادم میں بدل دیا۔ یہ دور اخوان المسلمون کی تاریخ کا وہ مرحلہ ہے جس نے اسے ایک ناقابلِ نظرانداز قوت بنا دیا اور جس کے اثرات آج تک اسلامی تحریکوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

سوال نمبر 2: اخوان المسلمون کے قیام کے پس منظر اور اس کے بانی شیخ حسن البنّا کے پیش کردہ خطبہ میں اسلامی تعلیمات کے جامع تصور کو کس طرح پیش کیا گیا؟

تمہید: اخوان المسلمون اور بیسویں صدی کا فکری بحران

اخوان المسلمون کا قیام محض ایک سیاسی یا مذہبی جماعت کی تشکیل نہیں تھا بلکہ یہ دراصل بیسویں صدی کے شدید فکری، تہذیبی، اخلاقی اور سیاسی بحران کے ردِعمل میں جنم لینے والی ایک ہمہ گیر اسلامی احیائی تحریک تھی۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد عالمِ اسلام بالخصوص مصر جس زوال، غلامی، فکری انتشار اور مغربی غلبے کا شکار تھا، اس نے ایک ایسی قیادت اور فکر کی ضرورت کو جنم دیا جو اسلام کو دوبارہ ایک مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر پیش کرے۔ یہی ضرورت اخوان المسلمون کے قیام کا بنیادی محرک بنی۔

اخوان المسلمون کے قیام کا تاریخی و سیاسی پس منظر

خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ اور عالمِ اسلام کا صدمہ

*1924*ء میں خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے نے عالمِ اسلام کو گہرے صدمے سے دوچار کر دیا۔ خلافت محض ایک سیاسی ادارہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی وحدت، اقتدار اور دینی شناخت کی علامت تھی۔ اس کے خاتمے کے بعد مسلم دنیا منتشر ہو گئی اور مغربی طاقتوں نے اسے اپنی نوآبادیات میں تقسیم کر لیا۔ مصر بھی عملی طور پر برطانوی استعمار کے زیرِ اثر تھا۔

مصر میں برطانوی استعمار اور سیاسی غلامی

اگرچہ مصر بظاہر ایک آزاد ریاست تھا، مگر اصل اقتدار برطانوی حکمرانوں کے ہاتھ میں تھا۔ سیاسی فیصلے، فوج، معیشت اور خارجہ پالیسی سب استعمار کے تابع تھیں۔ اس غلامی نے مصری عوام میں شدید احساسِ محرومی پیدا کیا، مگر کوئی منظم اسلامی قیادت موجود نہ تھی جو اس غلامی کا فکری و عملی توڑ پیش کر سکے۔

مغربی تہذیب کا فکری و اخلاقی غلبہ

استعمار کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب، سیکولر نظریات اور مادہ پرستی نے مسلم معاشروں میں جڑیں مضبوط کر لیں۔ تعلیمی ادارے، نصاب، عدالتی نظام

اور معاشرتی اقدار سب مغرب کے رنگ میں رنگے جا رہے تھے۔ اسلام کو صرف مسجد، عبادات اور نجی زندگی تک محدود کیا جا رہا تھا۔ یہی وہ تصور تھا جس کے خلاف شیخ حسن البنّا نے آواز بلند کی۔

دینی طبقے اور عوام کے درمیان خلا

اس دور میں دینی طبقہ زیادہ تر خانقاہی، رسمی یا محدود مذہبی سرگرمیوں تک محدود تھا جبکہ عوام سیاسی، معاشی اور اخلاقی مسائل میں الجھے ہوئے تھے۔ اسلام اور عملی زندگی کے درمیان ایک گہرا خلا پیدا ہو چکا تھا۔ اخوان المسلمون کا مقصد اسی خلا کو پُر کرنا تھا۔

شیخ حسن البنّا: شخصیت اور فکری تشکیل

خاندانی اور دینی پس منظر

شیخ حسن البنّا *1906*ء میں مصر کے شہر محمودیہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک جلیل القدر عالم، محدث اور فقہ دان تھے۔ اس دینی ماحول نے حسن البنّا

کی فکری بنیاد مضبوط کی۔ بچپن ہی سے ان میں دین سے گہری وابستگی، اصلاحِ معاشرہ کا جذبہ اور عملی جدوجہد کا رجحان پیدا ہو گیا تھا۔

تعلیم اور عملی مشاہدہ

شیخ حسن البنّا نے دارالعلوم قاہرہ سے تعلیم حاصل کی۔ یہاں انہوں نے جدید تعلیم، مغربی افکار اور مصری معاشرے کی عملی صورتِ حال کو قریب سے دیکھا۔ یہی مشاہدہ ان کے ذہن میں یہ سوال پیدا کرتا رہا کہ اسلام اتنا مکمل دین ہونے کے باوجود زندگی کے عملی میدانوں سے کیوں غائب ہے۔

دعوتی شعور اور اصلاحی جذبہ

بطور استاد، حسن البنّا نے نوجوانوں، مزدوروں اور عام لوگوں سے قریبی رابطہ رکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ عوام غربت، جہالت، اخلاقی زوال اور سیاسی غلامی کا شکار ہیں۔ یہی احساس اخوان المسلمون کے قیام کی فکری بنیاد بنا۔

اخوان المسلمون کا قیام *(1928ء)*

اسماعیلیہ میں بنیاد

1928ء میں مصر کے شہر اسماعیلیہ میں چھ افراد نے شیخ حسن البنّا کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ وہ لمحہ تھا جب اخوان المسلمون کی بنیاد رکھی گئی۔ اس موقع پر کوئی بڑی سیاسی تحریک نہیں بلکہ ایک خاموش مگر مضبوط فکری انقلاب کی ابتدا ہوئی۔

تحریک کے بنیادی مقاصد

اخوان المسلمون کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام کو ایک مکمل نظامِ حیات کے طور پر دوبارہ زندہ کیا جائے۔ اس مقصد کے تحت عقیدہ، عبادت، اخلاق، سیاست، معیشت، تعلیم اور معاشرت سب کو اسلام کے تابع بنانے کا تصور پیش کیا گیا۔

شیخ حسن البنّا کا خطبہ: اسلامی تعلیمات کا جامع تصور

خطبے کا پس منظر

اخوان المسلمون کے قیام کے وقت اور بعد میں شیخ حسن البنّا نے جو خطبات

اور تقاریر کیں، وہ محض جذباتی تقریریں نہیں تھیں بلکہ ایک مکمل فکری منشور کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان خطبات میں اسلام کے جامع تصور کو نہایت سادہ، واضح اور عملی انداز میں پیش کیا گیا۔

اسلام: ایک ہمہ گیر نظامِ حیات

شیخ حسن البنّا نے اپنے خطبات میں سب سے پہلے اس تصور کو رد کیا کہ اسلام صرف عبادات کا نام ہے۔ انہوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ اسلام عقیدہ بھی ہے، عبادت بھی، وطن بھی، قوم بھی، اخلاق بھی، قوت بھی، قانون بھی اور ریاست بھی۔ یہ جملہ اخوان المسلمون کے فکر کا خلاصہ بن گیا۔

عقیدہ اور روحانیت کا جامع تصور

خطبے میں عقیدۂ توحید کو ہر نظام کی بنیاد قرار دیا گیا۔ شیخ حسن البنّا کے نزدیک توحید صرف اللہ کو ماننے کا نام نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی حاکمیت تسلیم کرنے کا اعلان ہے۔ یہی عقیدہ انسان کو غلامی سے نجات دیتا ہے۔

عبادات اور اخلاق کا باہمی ربط

انہوں نے واضح کیا کہ عبادات کا مقصد محض ظاہری اعمال نہیں بلکہ اخلاق

کی تعمیر ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج انسان کو صبر، دیانت، ایثار اور نظم و ضبط سکھاتے ہیں۔ اگر عبادات اخلاقی تبدیلی پیدا نہ کریں تو وہ بے روح بن جاتی ہیں۔

اسلامی اخلاق اور اجتماعی زندگی

شیخ حسن البنّا کے خطبات میں اخلاق کو تحریک کی روح قرار دیا گیا۔ انہوں نے سچائی، امانت، عدل، اخوت، حیا اور قربانی کو اسلامی معاشرے کی بنیاد بتایا۔ ان کے نزدیک اخلاق کے بغیر اسلامی ریاست محض ایک نعرہ ہے۔

سیاسی نظام کے بارے میں جامع تصور

اسلام اور سیاست کی وحدت

شیخ حسن البنّا نے اس نظریے کو سختی سے رد کیا کہ اسلام اور سیاست الگ الگ چیزیں ہیں۔ ان کے مطابق سیاست دراصل معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ ہے اور اگر سیاست اخلاق سے خالی ہو جائے تو وہ فساد کا سبب بن جاتی ہے۔

اسلامی ریاست کا تصور

خطبے میں اسلامی ریاست کو عدل، شوریٰ، قانون کی بالادستی اور عوامی فلاح پر قائم نظام قرار دیا گیا۔ شیخ حسن البنّا کے نزدیک اسلامی ریاست کا مقصد اقتدار نہیں بلکہ اللہ کے احکام کا نفاذ اور انسانوں کی خدمت ہے۔

معاشی نظام کا اسلامی تصور

سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام پر تنقید

شیخ حسن البنّا نے اپنے خطبات میں سرمایہ دارانہ نظام کو استحصالی اور اشتراکی نظام کو فطرت کے خلاف قرار دیا۔ ان کے نزدیک اسلام ان دونوں کے درمیان ایک متوازن معاشی نظام پیش کرتا ہے۔

زکوٰۃ، صدقات اور عدلِ معاشی

اسلامی معاشی نظام کی بنیاد زکوٰۃ، صدقات، سود کی حرمت اور دولت کی منصفانہ تقسیم پر رکھی گئی۔ یہ نظام فقر و فاقہ کے خاتمے اور معاشی استحکام کا ضامن ہے۔

تعلیم اور تہذیب کا جامع تصور

اسلامی تعلیم کا مقصد

شیخ حسن البنّا کے مطابق تعلیم کا مقصد محض روزگار نہیں بلکہ صالح انسان کی تعمیر ہے۔ ان کے خطبات میں ایسے تعلیمی نظام کا تصور پیش کیا گیا جو علم، ایمان اور اخلاق کو یکجا کرے۔

مغربی تہذیب پر تنقید

انہوں نے مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور مسلمانوں کو اپنی تہذیبی شناخت کی طرف لوٹنے کی دعوت دی۔

جہاد اور دعوت کا توازن

دعوت بطور بنیاد

شیخ حسن البنّا نے واضح کیا کہ اخوان المسلمون کی بنیاد دعوت ہے۔ دلوں کی اصلاح کے بغیر کسی تبدیلی کو پائیدار نہیں بنایا جا سکتا۔

جہاد کا جامع تصور

جہاد کو محض مسلح جدوجہد نہیں بلکہ نفس کی اصلاح، ظلم کے خلاف جدوجہد اور استعمار سے آزادی کے عمل کے طور پر پیش کیا گیا۔

اخوان المسلمون کے قیام اور خطبے کا مجموعی تجزیہ

اخوان المسلمون کے قیام کا پس منظر استعمار، فکری زوال اور اسلامی شناخت کے بحران سے جڑا ہوا تھا۔ شیخ حسن البنّا کے خطبات نے اسلام کو ایک مکمل، متوازن اور ہمہ گیر نظامِ حیات کے طور پر پیش کیا۔ ان خطبات میں عقیدہ، عبادت، اخلاق، سیاست، معیشت، تعلیم اور جہاد سب کو ایک وحدت میں پرو دیا گیا۔ یہی جامع تصور اخوان المسلمون کی قوت بنا اور اسی نے اسے محض ایک جماعت نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اسلامی تحریک میں تبدیل کر دیا۔

سوال نمبر 3: خلافتِ عثمانیہ کے مختلف ادوار میں کیا نمایاں خصوصیات اور تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں؟ ہر دور کے اہم حکمران اور ان کے کارنامے تفصیل سے بیان کریں۔

خلافتِ عثمانیہ کا تاریخی پس منظر

خلافتِ عثمانیہ اسلامی تاریخ کی طویل ترین اور مؤثر خلافت تھی جو تقریباً چھ سو سال *(1299ء* تا *1924ء)* تک قائم رہی۔ اس خلافت نے تین براعظموں ایشیا، یورپ اور افریقہ میں اپنی حکمرانی قائم کی اور اسلامی تہذیب، سیاست، معیشت، فوج، قانون اور تمدن پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ خلافتِ عثمانیہ کو عموماً مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے کیونکہ ہر دور میں اس کی خصوصیات، ترجیحات اور مسائل مختلف رہے۔ ان ادوار میں ارتقا، عروج، استحکام، اصلاحات اور زوال کے مراحل شامل ہیں۔

پہلا دور: قیام و تشکیل کا دور *(1299ء* تا *1453ء)*

سیاسی و عسکری خصوصیات

یہ دور خلافتِ عثمانیہ کے قیام اور بنیاد مضبوط کرنے کا زمانہ تھا۔ اس مرحلے میں عثمانی ریاست ایک چھوٹی سی ترک ریاست سے ایک طاقتور سلطنت کی صورت اختیار کر گئی۔ عسکری تنظیم، نظم و ضبط اور اسلامی جذبہ اس دور کی نمایاں خصوصیات تھیں۔

عثمان غازی *(1299ء–1326ء)*

عثمان غازی خلافتِ عثمانیہ کے بانی تھے۔ انہوں نے سلجوقی سلطنت کے زوال کے بعد اناطولیہ میں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم کی۔ ان کی حکمرانی کی بنیاد جہاد، عدل اور سادگی پر تھی۔ انہوں نے بازنطینی علاقوں کے خلاف کامیاب فتوحات حاصل کیں اور اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔

اورخان غازی *(1326ء–1362ء)*

اورخان غازی نے ریاست کو منظم شکل دی۔ بروصہ کو دارالحکومت بنایا، فوجی تنظیم قائم کی، پہلی باقاعدہ عثمانی فوج *(ینی چری)* کی بنیاد رکھی اور عدالتی نظام کو مضبوط کیا۔ ان کے دور میں عثمانی ریاست یورپ میں داخل ہوئی۔

مراد اول (1362ء–1389ء)

مراد اول کے دور میں عثمانیوں نے بلقان کے بڑے حصے فتح کیے۔ کوسووہ کی جنگ میں فیصلہ کن کامیابی حاصل کی۔ اس دور میں سلطنت ایک مضبوط عسکری طاقت بن کر ابھری۔

بایزید اول (1389ء–1402ء)

بایزید اول کو "یلدرم" یعنی بجلی کی طرح تیز حملہ آور کہا جاتا تھا۔ انہوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا مگر تیمور لنگ سے جنگ میں شکست کے بعد سلطنت کو عارضی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔

دوسرا دور: استحکام و توسیع کا دور (1453ء تا 1566ء)

سیاسی و تمدنی خصوصیات

یہ خلافتِ عثمانیہ کا سنہری دور تھا۔ سلطنت نے غیر معمولی وسعت اختیار کی، انتظامی ڈھانچہ مضبوط ہوا، اسلامی قانون نافذ ہوا اور خلافت ایک عالمی طاقت بن گئی۔

محمد فاتح (1451ء–1481ء)

محمد فاتح خلافتِ عثمانیہ کے عظیم ترین حکمرانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ 1453ء میں قسطنطنیہ فتح کر کے بازنطینی سلطنت کا خاتمہ کیا۔ اس فتح نے عثمانیوں کو عالمی سطح پر طاقتور بنا دیا۔ انہوں نے جدید عسکری حکمتِ عملی، توپ خانے اور مضبوط انتظامی نظام متعارف کرایا۔

سلیم اول (1512ء–1520ء)

سلیم اول کے دور میں خلافتِ عثمانیہ نے مشرقِ وسطیٰ میں عظیم فتوحات حاصل کیں۔ مصر فتح ہوا، مملوک سلطنت کا خاتمہ ہوا اور خلافت کا منصب عثمانی سلاطین کو منتقل ہوا۔ مکہ اور مدینہ کی سرپرستی عثمانیوں کو حاصل ہوئی۔

سلیمان قانونی (1520ء–1566ء)

سلیمان قانونی خلافتِ عثمانیہ کے سب سے عظیم حکمران مانے جاتے ہیں۔ ان کے دور میں سلطنت اپنی جغرافیائی وسعت، عسکری قوت اور قانونی استحکام کے عروج پر تھی۔ انہوں نے قانون سازی کی، عدالتی نظام کو مضبوط کیا، یورپ میں فتوحات حاصل کیں اور اسلامی تہذیب کو فروغ دیا۔

تیسرا دور: جمود اور تدریجی زوال کا آغاز (1566ء تا 1703ء)

نمایاں خصوصیات

یہ دور بظاہر استحکام کا تھا مگر اندرونی طور پر کمزوریوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ درباری سازشیں، فوجی نظم میں بگاڑ اور انتظامی مسائل نمایاں ہونے لگے۔

سلیم دوم (1566ء–1574ء)

سلیم دوم کے دور میں بحری طاقت کو دھچکا لگا، خاص طور پر لیپانٹو کی جنگ میں عثمانیوں کو شکست ہوئی۔ اگرچہ سلطنت قائم رہی مگر یورپی طاقتوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔

مراد سوم اور محمد سوم

ان حکمرانوں کے دور میں فوجی اخراجات بڑھے، دربار میں عیش و عشرت عام ہوئی اور ینی چری فوج نظم و ضبط سے ہٹنے لگی۔

چوتھا دور: اصلاحات اور دفاع کا دور (1703ء تا 1839ء)

سیاسی و فکری تبدیلیاں

اس دور میں عثمانیوں نے یورپی طاقتوں سے مقابلے کے لیے اصلاحات کا آغاز کیا۔ جدید تعلیم، فوجی تربیت اور سفارتی تعلقات پر توجہ دی گئی۔

احمد سوم (1703ء–1730ء)

انہوں نے یورپ سے سائنسی اور فنی ترقیات سیکھنے کی کوشش کی۔ مطبع (پرنٹنگ پریس) متعارف ہوا اور ثقافتی اصلاحات کی گئیں۔

سلطان محمود دوم (1808ء–1839ء)

سلطان محمود دوم نے سب سے بڑی اصلاحات کیں۔ ینی چری فوج کا خاتمہ کیا، جدید فوج قائم کی، انتظامی نظام کو جدید خطوط پر استوار کیا اور ریاست کو بچانے کی کوشش کی۔

پانچواں دور: تنظیمات اور جدیدیت کا دور (1839ء تا 1876ء)

تنظیماتِ اصلاحات

اس دور میں عثمانی سلطنت نے باقاعدہ آئینی اور قانونی اصلاحات نافذ کیں۔

انسانی حقوق، عدالتی مساوات اور جدید قانون سازی کی گئی۔

عبدالمجید اول *(1839ء–1861ء)*

انہوں نے تنظیمات فرمان جاری کیا جس کے تحت شہری حقوق، عدالتی

اصلاحات اور جدید تعلیم کو فروغ دیا گیا۔

عبدالعزیز *(1861ء–1876ء)*

انہوں نے فوج اور بحری بیڑے کو جدید بنانے کی کوشش کی مگر معاشی

بحران بڑھتا چلا گیا۔

چھٹا دور: *آئینی تجربہ اور سیاسی بحران (1876ء تا 1909ء)*

عبدالحمید ثانی *(1876ء–1909ء)*

عبدالحمید ثانی ایک دور اندیش حکمران تھے۔ انہوں نے پان اسلامزم کو فروغ

دیا، خلافت کے تصور کو مضبوط کیا اور یورپی سازشوں کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ انہوں نے آئین معطل کیا مگر اسلامی وحدت کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔

ساتواں دور: زوال اور خاتمہ *(1909ء تا 1924ء)*

سیاسی انتشار اور جنگیں

اس دور میں خلافت عثمانیہ مسلسل جنگوں، قوم پرستانہ تحریکوں اور یورپی دباؤ کا شکار رہی۔ پہلی جنگِ عظیم میں شکست نے سلطنت کی بنیادیں ہلا دیں۔

محمد ششم *(1918ء–1922ء)*

ان کے دور میں سلطنت عملی طور پر ختم ہو چکی تھی۔ ترک قوم پرست تحریک ابھری اور خلافت کا کردار محدود ہو گیا۔

خلافت کا خاتمہ *(1924ء)*

مصطفیٰ کمال اتاترک نے *1924ء* میں خلافت کا باضابطہ خاتمہ کر دیا، یوں چھ سو سالہ خلافتِ عثمانیہ کا اختتام ہوا۔

مجموعی تجزیہ

خلافتِ عثمانیہ کے مختلف ادوار میں قیام، عروج، استحکام، اصلاحات اور زوال کے مراحل واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ ابتدائی دور میں اسلامی جذبہ، عسکری قوت اور عدل غالب تھا۔ عروج کے دور میں خلافت عالمی طاقت بنی۔ بعد کے ادوار میں اندرونی کمزوریاں، مغربی دباؤ اور فکری انتشار زوال کا سبب بنے۔ اس کے باوجود خلافتِ عثمانیہ اسلامی تاریخ کا ایک عظیم باب ہے جس نے صدیوں تک اسلام، علم، تہذیب اور سیاست کی قیادت کی۔

سوال نمبر *4:* انڈونیشیا میں اسلام کے فروغ میں مسلمان تاجروں، مبلغین اور مقامی راجاؤں و امیروں کے کردار کو کس طرح تاریخی تناظر میں دیکھا جاتا ہے؟ وضاحت کریں۔

تعارف

انڈونیشیا آج دنیا کا سب سے بڑا مسلم اکثریتی ملک ہے، لیکن اس خطے میں اسلام کا فروغ کسی بڑی فوجی یلغار یا جبری تسلط کے نتیجے میں نہیں ہوا بلکہ یہ ایک منفرد، پُرامن اور تدریجی عمل تھا۔ انڈونیشیا میں اسلام کے پھیلاؤ کا تاریخی مطالعہ ہمیں یہ حقیقت بتاتا ہے کہ یہاں اسلام **تجارت، دعوت، اخلاق، صوفیانہ تعلیمات اور مقامی حکمرانوں کی سرپرستی** کے ذریعے فروغ پایا۔ مسلمان تاجروں، مبلغین *(خصوصاً صوفیاء)* اور مقامی راجاؤں و امیروں نے باہم مل کر ایک ایسا ماحول پیدا کیا جس میں اسلام نہ صرف قبول کیا گیا بلکہ مقامی ثقافت کا حصہ بھی بن گیا۔

انڈونیشیا کا جغرافیائی و تاریخی پس منظر

انڈونیشیا جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ہزاروں جزیروں پر مشتمل ملک ہے۔

قدیم دور میں یہ علاقہ ہندومت اور بدھ مت کا گڑھ تھا۔ سری وجیہ *(Srivijaya)* اور ماجاپاہت *(Majapahit)* جیسی طاقتور ہندو بدھ سلطنتیں یہاں قائم رہیں۔ انڈونیشیا چونکہ بحری تجارت کا مرکز تھا، اس لیے چین، بھارت، عرب اور فارس کے تاجر یہاں آتے جاتے تھے۔ یہی تجارتی روابط اسلام کے فروغ کی بنیاد بنے۔

انڈونیشیا میں اسلام کی آمد: تاریخی جائزہ

مورخین کے مطابق انڈونیشیا میں اسلام کی آمد آٹھویں یا نویں صدی عیسوی میں شروع ہو گئی تھی، تاہم اس کا منظم فروغ تیرہویں صدی کے بعد نمایاں ہوا۔ عرب، ایرانی، گجراتی اور یمنی مسلمان تاجر یہاں پہنچے اور مقامی آبادی سے قریبی تعلقات قائم کیے۔

مسلمان تاجروں کا کردار

تجارت بطور ذریعۂ دعوت

مسلمان تاجروں نے انڈونیشیا میں اسلام کے فروغ میں سب سے بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ تاجر مصالحہ جات، ریشم، کپڑا اور دیگر اشیاء کی تجارت کے لیے آتے تھے۔ ان کی زندگی کا طرزِ عمل، دیانت داری، سچائی اور انصاف مقامی لوگوں کے لیے نہایت متاثر کن تھا۔

اخلاقی کردار اور عملی نمونہ

یہ تاجر اسلام کی تبلیغ زبانی دعوؤں سے نہیں بلکہ اپنے کردار سے کرتے تھے۔

- ناپ تول میں دیانت
- وعدے کی پابندی
- نرم گفتاری
- عدل و انصاف

ان اوصاف نے مقامی لوگوں کے دلوں میں اسلام کے لیے کشش پیدا کی۔

مقامی آبادی سے سماجی روابط

مسلمان تاجروں نے مقامی عورتوں سے شادیاں کیں، جس سے مسلم خاندان وجود میں آئے۔ یہ خاندان رفتہ رفتہ اسلام کے مراکز بن گئے اور نئی نسل میں اسلامی اقدار منتقل ہوئیں۔

مسلمان مبلغین اور صوفیاء کا کردار

صوفیانہ دعوت کی حکمت

انڈونیشیا میں اسلام کے فروغ میں صوفیاء اور مبلغین کا کردار نہایت اہم اور فیصلہ کن رہا۔ صوفیاء نے اسلام کو سخت فقہی انداز میں پیش کرنے کے بجائے **محبت، رواداری، روحانیت اور اخلاق** کے ذریعے عام کیا۔

ولی سونگو *(Wali Songo)*

جاوا میں اسلام کے فروغ میں نو عظیم صوفی بزرگوں کا گروہ، جسے **ولی سونگو** کہا جاتا ہے، مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ان بزرگوں نے:

- مقامی زبان میں تبلیغ کی

- مقامی رسم و رواج کو اسلامی روح کے مطابق ڈھالا
- موسیقی، شاعری اور ڈرامے کو دعوت کا ذریعہ بنایا

اسلام اور مقامی ثقافت کا امتزاج

صوفیاء نے اسلام کو مقامی ثقافت سے متصادم نہیں ہونے دیا بلکہ اسے اس میں ضم کیا۔ مثلاً:

- مقامی تہواروں کو اسلامی رنگ دینا
- قدیم رسوم میں شرک کے بجائے توحید کا پیغام شامل کرنا

یہ حکمتِ عملی اسلام کے پُرامن فروغ کا سبب بنی۔

مقامی راجاؤں اور امیروں کا کردار

حکمرانوں کا اسلام قبول کرنا

انڈونیشیا میں جب مقامی راجاؤں اور امیروں نے اسلام قبول کیا تو ان کی رعایا بھی بڑی تعداد میں مسلمان ہو گئی۔ یہ ایک فطری سماجی عمل تھا کیونکہ حکمران عوام کے لیے نمونہ ہوتے تھے۔

اسلامی سلطنتوں کا قیام

اسلام قبول کرنے والے حکمرانوں نے اسلامی ریاستیں قائم کیں، جن میں نمایاں ہیں:

- سلطنتِ سماٹرا
- سلطنتِ دماک *(Demak)*
- سلطنتِ آچے *(Aceh)*

ان ریاستوں نے اسلامی تعلیمات، شریعت اور عدل و انصاف کو فروغ دیا۔

علم و دعوت کی سرپرستی

راجاؤں اور امیروں نے:

- مساجد تعمیر کروائیں
- مدارس قائم کیے
- علماء اور صوفیاء کی سرپرستی کی

اس سرپرستی نے اسلام کے فروغ کو ادارہ جاتی شکل دی۔

تینوں عوامل کا باہمی تعلق

تاجر، مبلغ اور حکمران: ایک مشترکہ جدوجہد

انڈونیشیا میں اسلام کا فروغ کسی ایک طبقے کا نتیجہ نہیں بلکہ تاجروں، مبلغین اور حکمرانوں کی مشترکہ کاوش تھی۔

- تاجر نے راستہ ہموار کیا
- مبلغ نے دلوں کو بدلا
- حکمران نے سیاسی و سماجی تحفظ فراہم کیا

یہ تینوں عناصر ایک دوسرے کے مددگار بنے۔

اسلام کے فروغ کے نتائج

پُرامن اسلامی معاشرہ

انڈونیشیا میں اسلام کا فروغ پُرامن رہا، جس کے نتیجے میں ایک معتدل، روادار اور ہم آہنگ اسلامی معاشرہ وجود میں آیا۔

علمی و تہذیبی ترقی

اسلام کے ساتھ عربی زبان، اسلامی علوم، فقہ، تصوف اور اخلاقی اقدار فروغ پائیں۔ مساجد علم کے مراکز بنیں۔

بین المذاہب ہم آہنگی

اسلام نے مقامی مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ رواداری کا رویہ اختیار کیا، جس کی وجہ سے آج بھی انڈونیشیا میں مذہبی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

تجزیاتی نتیجہ

تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو انڈونیشیا میں اسلام کا فروغ ایک مثالی دعوتی ماڈل ہے۔ مسلمان تاجروں کی دیانت، صوفی مبلغین کی حکمت و محبت اور مقامی راجاؤں و امیروں کی سرپرستی نے مل کر اسلام کو دلوں میں اتارا، تلواروں کے زور پر نہیں بلکہ اخلاق اور کردار کے ذریعے۔ یہی وجہ ہے کہ انڈونیشیا میں اسلام آج بھی ایک زندہ، متحرک اور مقامی ثقافت سے ہم آہنگ دین کی صورت میں موجود ہے۔

سوال نمبر 5: دارِ ارقم کے تصوف پر مبنی طرزِ فکر، اس کے اصولوں اور اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے طریقۂ کار پر تنقیدی جائزہ پیش کریں

تمہید: دارِ ارقم کی تاریخی و فکری حیثیت

دارِ ارقم اسلامی تاریخ کا پہلا منظم دعوتی، تعلیمی اور روحانی مرکز تھا جو مکہ مکرمہ میں ابتدائی دورِ نبوت میں قائم ہوا۔ یہ گھر حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ کا تھا، جہاں نبی کریم ﷺ نے خفیہ طور پر صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ دارِ ارقم محض ایک عمارت نہیں بلکہ ایک **فکری، روحانی، اخلاقی اور تنظیمی تربیت گاہ** تھی۔ اس مرکز میں جو طرزِ فکر پروان چڑھا، وہ بعد کے ادوار میں اسلامی تصوف، اخلاقیات اور دعوتی حکمتِ عملی کی بنیاد بنا۔

دارِ ارقم کا پس منظر اور قیام کے اسباب

بعثتِ نبوی ﷺ کے ابتدائی تین سال خفیہ دعوت کا زمانہ تھے۔ مکہ کا معاشرہ شرک، جاہلیت، طبقاتی تفریق اور اخلاقی زوال کا شکار تھا۔ ایسے حالات میں علانیہ تبلیغ شدید ردِعمل کو جنم دے سکتی تھی۔ اس لیے نبی کریم

ﷺ نے ایک محفوظ، پُرامن اور فکری طور پر سازگار مقام کا انتخاب کیا۔

دارِ ارقم اس لحاظ سے بہترین تھا کیونکہ

- یہ صفا پہاڑی کے قریب مگر قریش کی نظروں سے اوجھل تھا
- حضرت ارقمؓ نوجوان تھے اور قریش کو ان پر شک نہ تھا
- یہ مقام روحانی یکسوئی اور تربیت کے لیے موزوں تھا

دارِ ارقم کا تصوف پر مبنی طرزِ فکر

دارِ ارقم کا فکری نظام اگرچہ اصطلاحی تصوف سے پہلے کا ہے، مگر اس میں وہ تمام روحانی عناصر موجود تھے جو بعد میں اسلامی تصوف کی بنیاد بنے۔

باطنی اصلاح پر زور

دارِ ارقم میں سب سے پہلے انسان کے دل کی اصلاح کی جاتی تھی۔

- توحید کا خالص تصور
- اللہ پر کامل توکل

- اخلاصِ نیت
- خوفِ خدا اور محبتِ الٰہی

یہ تمام عناصر تصوف کے بنیادی اجزا ہیں۔

تزکیۂ نفس

صحابہؓ کو نفس کی خواہشات، غرور، حسد اور دنیا پرستی سے پاک کیا جاتا تھا۔

قرآن کی ابتدائی آیات اسی تزکیے پر مرکوز تھیں، جیسے:

- صبر
- شکر
- قناعت
- عفو و درگزر

یہی صفات بعد میں صوفیانہ اخلاق کی بنیاد بنیں۔

دارِ ارقم کے فکری و روحانی اصول

اول: توحیدِ خالص

دارِ ارقم کی تعلیمات کا مرکز توحید تھی۔

- شرک کی مکمل نفی
- اللہ کی وحدانیت پر کامل یقین

یہ اصول تصوف میں بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے جہاں وحدانیتِ حق پر زور دیا جاتا ہے۔

دوم: صبر و استقامت

ابتدائی مسلمان شدید ظلم کا شکار تھے۔ دارِ ارقم میں انہیں:

- صبر
- برداشت
- ثابت قدمی

کی تربیت دی جاتی تھی۔ یہ تصوف کا وہی اصول ہے جسے بعد میں **صبر علی البلاء** کہا گیا۔

سوم: دنیا سے بے رغبتی (زہد)

دارِ ارقم میں دنیا کی عارضی حیثیت واضح کی جاتی تھی۔

- مال و دولت کی محبت کم کی جاتی
- آخرت کی فکر پیدا کی جاتی

یہ زہد بعد میں تصوف کا نمایاں وصف بنا۔

چہارم: اخوت اور مساوات

دارِ ارقم میں غلام، سردار، امیر اور غریب سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے۔

- بلالؓ
- صہیبؓ
- عمارؓ
- ابو بکرؓ

یہ مساوات تصوف کے انسانی اخوت کے تصور سے مکمل ہم آہنگ ہے۔

دارِ ارقم میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کا طریقۂ کار

خفیہ اور تدریجی دعوت

دارِ ارقم میں تبلیغ علانیہ نہیں بلکہ تدریجی اور خفیہ انداز میں ہوتی تھی۔

- پہلے عقیدہ
- پھر اخلاق
- بعد میں عملی احکام

یہ حکمت تصوف میں بھی پائی جاتی ہے جہاں سالک کو مرحلہ وار تربیت دی جاتی ہے۔

قرآن کی براہِ راست تعلیم

دارِ ارقم میں قرآن نازل ہوتے ہی پڑھایا جاتا تھا۔

- آیات کا فکری اثر
- دل پر براہِ راست نفوذ
- عملی زندگی سے ربط

یہ طریقہ صوفیانہ مجالسِ ذکر و تعلیم سے مشابہ ہے۔

عملی نمونہ (اسوہ)

نبی کریم ﷺ خود سب سے بڑا عملی نمونہ تھے۔

- حلم
- تواضع
- شفقت
- عفو

یہ عملی تربیت تصوف میں شیخ و مرشد کے کردار کی یاد دلاتی ہے۔

دارِ ارقم اور تنظیمی شعور

دارِ ارقم صرف روحانی مرکز نہیں بلکہ ایک تنظیمی ادارہ بھی تھا۔

- راز داری
- نظم و ضبط
- قیادت کا احترام

یہ عناصر بعد میں صوفی سلسلوں میں خانقاہی نظام کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

تنقیدی جائزہ: دارِ ارقم اور بعد کا تصوف

مثبت پہلو

- دارِ ارقم کا طرزِ فکر خالص قرآن و سنت پر مبنی تھا
- روحانیت اخلاق اور شریعت سے جدا نہ تھی
- فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح مقصود تھی

یہ وہ متوازن تصوف ہے جسے **تصوفِ سلف** کہا جا سکتا ہے۔

بعد کے تصوف سے تقابل

بعد کے بعض صوفیانہ رجحانات میں:

- شریعت سے دوری
- غیر اسلامی رسوم
- محض باطنی کیفیات پر زور

نظر آتا ہے، جو دارِ ارقم کے اصل منہج سے مطابقت نہیں رکھتا۔

دارِ ارقم کا دعوتی ماڈل اور عصرِ حاضر

آج کے دور میں دارِ ارقم کا ماڈل نہایت مؤثر ہے:

- تربیت قبلِ تحریک
- اخلاق قبلِ سیاست
- کردار قبلِ نعروں

یہ ماڈل ہمیں بتاتا ہے کہ مضبوط اسلامی معاشرہ روحانی اور اخلاقی بنیادوں پر ہی قائم ہو سکتا ہے۔

حتمی تجزیہ

دارِ ارقم اسلامی تاریخ کا پہلا روحانی و فکری ادارہ تھا جس نے ایسے افراد تیار کیے جو بعد میں اسلام کے علمبردار بنے۔ اس کا تصوف پر مبنی طرزِ فکر، تزکیۂ نفس، توحید، صبر، زہد، اخوت اور حکمتِ تبلیغ پر مشتمل تھا۔ دارِ

ارقم کا منہج ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ حقیقی اسلامی دعوت دلوں کی اصلاح، اخلاق کی تربیت اور کردار کی پاکیزگی سے ہی کامیاب ہو سکتی ہے، اور یہی وہ تصوف ہے جو قرآن و سنت سے ہم آہنگ، متوازن اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔